# عالم گیریت اور اسلامی آفاقیت

مخدوم احمد رضا

اطلاعات اور ٹکنالوجی کی روز افزوں بدلتی ہوئی صورت حال دنیا بھر کے انسانی معاشروں کے لیے نت نئے دباؤ اور تبدیلیاں' اتنی تیزی سے لا رہی ہے کہ عقل وحواس ورطۂ حیرت میں مبتلا ہو کر رہ گئے ہیں۔ مشرق اور مغرب' دونوں ہی اس عفریت سے نبٹنے اور اپنے اپنے مخصوص تصورِ جہاں (world view) اور ثقافتی تناظر میں' اقدار' شناخت' تجارت وترقی' ماحولیات اور کرۂ ارض کی بقا کی تدابیر اور حکمت عملی تلاش کر رہے ہیں۔ اس منظرنامے میں یہ سوال سب سے زیادہ اہم ہے کہ ہر لحظہ بدلتی صورتِ حال سے کس طرح نبٹا جائے؟ انسانی تہذیبوں کی کلّی (macro) اور جزئی (micro) حالتیں اور اُن کے باہم تبادلے کا کیا باہمی تعلق ہے' جس سے آنے والی صدی کی دنیا تشکیل پذیر ہو رہی ہے اور شاید آنے والے کئی برسوں تک ہوتی رہے گی۔

انسانی تمدن وثقافت کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ 'تبدیلی' کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے اور دوسری اس کی باطنی حقیقت اور منبع۔ عمومی طور پر' عوام اور خواص کا ایک اچھا خاصا حصہ' ظاہری صورتوں میں تبدیلی کو بڑی اہمیت دیتا ہے' اور انسانی شناخت' اخلاقی اقدار اور باہمی ربط وضبط کے نفسیاتی رویوں کو' مادی' معاشی' آلاتی اور مالیاتی نظام کے اُتار چڑھاؤ کی روشنی میں پرکھتا اور قائم کرتا ہے۔ حق و باطل' نیک و بد اور فلاح وسلامتی کے سارے راستے اس کی منطقِ منفعت سے ہو کر گزرتے ہیں۔ انسانی معاشروں میں آنے والی تبدیلیوں کی ظاہری صورتوں میں اہمیت دینے والے' اُصول مادی کو معیارِ نقد وقدر قرار دیتے ہیں۔ آویزش' مقابلہ' تفاوت' تقسیم' تفریق وہ اخلاقی' ثقافتی' نفسیاتی اور معاشی تصورات ہیں' جن کی بنا پر انسانی معاشروں اور تہذیبوں کی ترقی وتنزلی کے معیار قائم کیے جاتے ہیں۔ کیا اُصول مادی' کسی مخصوص انسانی ثقافت وتہذیب کا نمایندہ ہے' یا یہ ایک بین التہذیبی' انسانی فطرت کا رویّہ ہے' جو کلچر' نسل' زبان' علاقے' رنگ اور خطے سے ماورا' بذاتہٖ ایک تصورِ جہاں ہے' جس کی حقیقت اور سچائی اور بالادستی کے ماننے والے ہر جگہ پائے

جاتے ہیں؟

گذشتہ تین صدیوں کی عالمی انسانی تاریخ اور سماجی، ثقافتی، معاشی اور اخلاقی وروحانی سطح پر، اس کے مدّ وجزر اُصولِ مادی کی بھرپور اور مکمل غمازی کرتے ہیں۔ مغربی ریاستوں اور اُن کے بین الاقوامی تاریخی پھیلاؤ میں یہی اصول پوری طرح محرک اور فعّال نظر آتا ہے۔ ایشیا اور افریقہ میں مغربی سلطنتوں کا سیاسی نوآبادیات کا نظام، پھر دو عالمی جنگوں میں بھرپور عالمی استعماریت وسامراجیت کا طاقت ور اظہار، جو مقابلے کی معاشی نفسیات سے اخلاقی جواز پا کر، مغربی ریاستوں کے عالمی اقتدار اور فنیاتی [ٹکنالوجیکل] غلبے پر منتج ہوا ہے، اسی محولہ بالا اُصولِ مادی کا مظہر ہے۔ اس نئی صدی کی ابتدا میں، عالم گیریت بھی اسی اُصول کا سیاسی، معاشی اور ثقافتی تقاضا بن کر اُبھری ہے۔

دنیا کی معلوم تاریخ میں، انسانی تہذیبوں کے مابین تجارت ومعیشت کے مادی رشتوں نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس طرح عالم گیریت کوئی انوکھی تاریخی حقیقت نہیں ہے۔ بہت سارے فلسفے، نظامِ اقدار اور طرزہائے زندگی، تجارت کے راستے ایک تمدن سے دوسرے تمدن تک جاتے رہے ہیں۔ ثقافتی اثر ونفوذ کا یہ بین الاقوامی اور بین التہذیبی عمل، بالکل فطری اور لابدی ہے۔ اگرچہ اس کے جواز اور عدمِ جواز پر مختلف اور متضاد آرا ہوسکتی ہیں، مگر یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے سے انسانی تہذیبوں کے مابین باہمی معاشی تبادلے کے ساتھ ساتھ انسانی معاشروں کی اجتماعی علمی، فنی اور اخلاقی نشوونما ہوتی ہے۔ باہمی ثقافتی اثر ونفوذ تک تو معاملہ ٹھیک ہے، مگر جب اسی باہمی معاشی وتجارتی تبادلے کے بین السطور، ایک ریاست یا ریاستوں کا کوئی گروہ، اپنے سے کمزور مادی اور معاشی مراکز کو اپنے اقتدار اور غلبے کا نشانہ بنالیتا ہے اور اُن کے وسائلِ معاش وحیات پر 'جبری' حق قائم کرلیتا ہے، تو چاہے وہ اسے عالم گیریت کا خوش نما عنوان دے دے، ہماری رائے میں یہ دراصل اسی 'جبری حق' کا زوردار سیاسی وثقافتی اظہار ہے۔

کیا بین التہذیبی اور بین الانسانی معاشی ومعاشرتی تبادلے کا 'عالم گیریت' ہی ایک واحد منطقی اور حتمی راستہ ہے، یا پھر اس کا کوئی بہتر اور پُرامن معاشرتی متبادل ہے؟ ہمارے نزدیک 'عالم گیریت' کا متبادل، اسلامی آفاقیت ہے۔

اسلامی آفاقیت (Islamic Universalism) دراصل ہے کیا؟ اور اطلاعات وٹکنالوجی کے اس عہد اور مسابقت ومقابلے کی موجودہ عالمی معاشیات میں، جو کہ اُصولِ مادی پر استوار ہے، اس کی منظم صورت کیا ہے؟ یہ ایک روحانی واخلاقی اُصول ہے جس کا عالم گیر تاریخی جواز، انسانی معاشروں کی لابدی تاریخی تگ وتاز کے باطن سے پھوٹتا ہے۔ پیغمبرانہ ثقافت کا تصور، جہاں اس کا محرک اور مرجع ومقصد ہے۔ یہ انسان کو ایک عظیم تر

آفاق کا حصہ گردانتے ہوئے، اُس کو اُس کے ہر عمل، ہر سوچ اور ہر تخلیق کے لیے جواب دہ قرار دیتا ہے۔ یہ انسانی حیات، تمدن، تاریخ، ایجادات اور وسیع کائنات کو ایک اخلاقی ضابطے کے طور پر دیکھتا اور بیان کرتا ہے۔ جس طرح ہر انسانی عمل کا ایک مادی سبب، جواز اور نتیجہ ہے، بالکل اُسی طرح اُس کے ہر عمل کا ایک اخلاقی وروحانی عکس، دنیا میں بھی تشکیل پذیر ہو رہا ہے۔ ہر دنیاوی عمل ایک کائناتی آئینہ خانہ (cosmic mirror)، یعنی آخرت میں منقش اور مرتسم ہوتا چلا جا رہا ہے، اور اس دنیا کے افعال واعمال کا حتمی نتیجہ اور پھل اس کی منقش دنیا میں بالحقیقت دیکھ لے گا۔

اس اخلاقی وروحانی اُصول کی بنا پر تشکیل کردہ دُنیا میں تمام انسان، امین، جواب دہ اور بالفعل برابر اور مساوی ہیں۔ تمام ارضی وسائل، جن میں زمین، پانی، جنگلات، نقل وحمل کے ذرائع، آلات وایجادات، معیشت و تجارت، زر ودولت، معاشرتی ونفسیاتی نظام ہائے کار، غرض ہر وسیلہ جو انسانی تمدن اور بقائے نوعِ انسانی کے لیے ناگزیر ہے، ایک ذمہ داری اور امانت کے طور پر تمام انسانوں کے زیرِ تصرف اور زیرِ استعمال ہے۔ چنانچہ یہاں معاشی ومعاشرتی تبادلے کی بنیاد مسابقت کی نفسیات کے بجائے، توازن کی نفسیات ہے۔ وسائل میں شراکت، برابری، مساوات، حریت اور عقیدے کی آزادی، راہنما اصول ہیں۔ کوئی نسلی، لسانی، ثقافتی، معاشرتی، معاشی اور نفسیاتی تفوق، کوئی فضیلت معیارِ قدر نہیں ہے، بلکہ انسانی روحانیت کی فطری اور ناقابلِ تقسیم جوہریت، ایک قدرِ غالب کا درجہ رکھتی ہے۔

انسانی معاشروں کی تاریخی حرکیات کا بنظرِ غائر مطالعہ، یہ امر بیّن طور پر ہمارے سامنے لاتا ہے کہ جب انسانی تمدنوں کی وحدت کو کسی معاشی اور قومی فلسفے کے طور پر پیش کیا گیا، اور انسانوں کی فطری اور لابدی روحانی وحدت کو نظر انداز کیا گیا، تو اس کے منطقی نتیجے کے طور پر انسانی معاشروں میں، ظلم، ناانصافی، تضادات اور توڑ پھوڑ بڑی قوت سے اُبھرے۔ نتیجتاً، انسانی معاشرے، حقیقی معاشرتی ومعاشی آزادی اور عدل ومساوات کے علی الرغم استحصال اور ظلم وتشدد کا شکار ہوتے چلے گئے۔ سابقہ صدی کے اواخر میں اشتراکیت اس کی ایک واضح مثال ہے اور لمحۂ موجود میں کچھ اسی طرح کا تاریخی کردار، عالم گیریت، ادا کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ بہت سارے تاریخی تضادات کا شکار بھی ہوتی چلی جا رہی ہے۔

یہ عام مشاہدہ ہے کہ ایشیا، افریقہ، لاطینی امریکہ اور مغربی یورپ، غرض ہر گوشۂ ارضی سے، حساس، دُور اندیش اور انسانی حریت پر گہرا یقین رکھنے والے شہری، گروہ، تنظیمیں اور مفکرین، انسانی وحدت، کے اس عالمی معاشی اور سیاسی نظام یعنی عالم گیریت کے بڑے ناقد کے طور پر ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔ یہ سب سرمایہ دارانہ اور آزاد معاشی نظام اور ان کے طاقت ور ترین مظہر، یعنی کثیر الاقوامی کارپوریشن (MNC) کے لیے، دنیا

کے مختلف معاشرتی، ثقافتی اور اخلاقی و معاشی نظاموں کو کسی صورت سبز چارہ قرار دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ عناصر انفرادی ثقافتی و معاشی اکائیوں اور اُن کے مخصوص اخلاقی و روحانی مزاج کی بقا کے داعی ہیں اور ساتھ ہی طاقت ور ٹکنالوجیکل اقوام کو معیشت، تجارت، ماحولیات اور ثقافت کے بارے میں اُن کی مسابقانہ اور غلبے پر مبنی نفسیات بدلنے پر بھی مجبور کر رہے ہیں۔

عالم گیریت ایک معاشی تبادلے اور انحصار (economic interdependence & exchange) کے زاویۂ نگاہ کے طور پر اور وہ بھی شدید تحفظات کے ساتھ تو شاید انفرادی قومی معیشتوں کو کسی قدر قابلِ قبول ہو لیکن اسے ایک کلّی سماجی، ثقافتی اور اخلاقی نظام کے طور پر تمام انسانی معاشروں کے لیے ایک علاج قرار دینا، انتہائی خطرناک اثرات کا حامل تاریخی رویہ قرار دیا جا سکتا ہے، جس سے نہ صرف نسلِ انسانی کی بقا، بلکہ کرۂ ارض کی بقا اور امن بھی معرضِ خطر میں پڑ سکتا ہے۔

کرۂ ارض اور اس پر بسنے والے انسانی معاشروں کو عالم گیریت کے باطن میں چھپے ہوئے مسابقانہ معاشی وحدت کے فلسفے کی بنیاد پر زیادہ محفوظ اور عادلانہ نہیں بنایا جا سکتا بلکہ اس سے استحصال، ظلم اور طاقت کے بے محابا استعمال کا اور بے جا جواز ضرور فراہم کیا جا سکتا ہے۔ عالم گیریت کی سیاسی، ثقافتی اور اخلاقی اقدار کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی موجودہ منطقی صورت میں، انفرادی انسانی ثقافتوں اور اُن کے اخلاقی و روحانی نظاموں کے لیے ایک کھلا اور برملا چیلنج ہیں۔

انسانی ثقافتوں کی تاریخ کا مطالعہ ہم پر یہ واضح کرتا ہے کہ اُصول مادی کی بنا پر، 'انسانی وحدت' کا تصور کبھی بھی قابلِ عمل نہیں رہا ہے۔ یہ صرف اور صرف اُصولِ روحانی (دین) ہی ہے، جس نے 'انسانی وحدت' کو عملی صورت میں ہمارے سامنے جاگزیں کیا ہے اور انسانی فضیلت اور قدر کو منفعت کی منطق کے بجائے توازن، مساوات اور ہم آہنگی کے عالم گیر روحانی و اخلاقی اصولوں پر استوار کیا ہے۔ ان راہنما اصولوں کا سب سے طاقت ور تاریخی اظہار 'اسلامی آفاقیت' کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے، جو انسانی معاشرتی، لسانی اور ثقافتی اکائیوں کو بچی کھری اور بے لاگ انسانی وحدت میں ضم کر دیتی ہے اور باہمی انسانی تبادلوں، رشتوں اور تخلیق و ایجادات کے نظاموں کو مساوات اور انسانی برابری کے زرّیں اُصولوں پر استوار کرتی ہے۔

ہمیں تاریخ کی ظاہری صورتوں کے تضادات اور مد و جزر میں 'انسانی وحدت' کی تلاش نہیں کرنا چاہیے، جو زیادہ سے زیادہ 'معاشی وحدت' اور اس سے وابستہ مسابقانہ نفسیات پر منتج ہوتا ہے، بلکہ ہمیں تاریخ کے باطن میں جھانکنے کی ضرورت ہے، جہاں ہمیں سچ اور جھوٹ، نیکی و بدی اور روحانی و مادی کی نہ ختم ہونے والی جدوجہد نظر آتی ہے۔ اور جب دنیا کے راہنما، مفکرین اور گروہ انسانی باطن اور اس کے تاریخی مد و جزر پر نظر ڈالیں گے تو

صحیح معنوں میں تعصب‘ نفرت اور بدظنی سے نجات پاسکیں گے اور انسانی معاشروں کو اُن کی کثرتوں میں برداشت کرتے ہوئے ایک ذمہ دار آفاقی روحانیت کی بنیاد پر انسانی تہذیب وتمدن کی قدر مقرر کرسکیں گے۔ یہ مبین اور ظاہر ہے کہ یہ عظیم مقصد‘ اُصولِ روحانی کی درست تفہیم اور تشریح پر مبنی ہے۔ اور اس سلسلے میں اُصولِ مادی اور اس کے مظاہر تاریخ کچھ خاص مددگار ثابت نہیں ہوسکتے۔

’اسلامی آفاقیت‘ ایک اُصولِ روحانی کی عالم گیر علامت ہے‘ اور تمام دانا وبینا انسانوں کو‘ چاہے وہ کسی ثقافت‘ علاقے اور زبان سے تعلق رکھتے ہوں‘ مہمیز کرنے کی اپنے اندر صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ انسانی روح کی زبان ہے‘ جو لامحالہ انسانی روح تک ہی جاتی ہے۔ جو نہ صرف اس دنیا کے افعال واعمال کو ذمہ داری وامانت سے ادا کرنے کی طرف انسانی معاشروں کی توجہ منعطف کرتی ہے‘ بلکہ ان افعال واعمال کا حتمی اور لابدی نتیجہ اس سے بظاہر نظر نہ آنے والی دنیا: ایک منقش دنیا [آخرت] سے جوڑ کر اس کو صحیح آفاقیت اور سچی معنویت عطا کرتی ہے۔

یہ سچی حیات انسانی معاشرے‘ اُن کے راہنما ادارے اور اُن کے مفکر مسابقت اور شک کی نفسیات سے حاصل نہیں کرسکتے بلکہ‘ یہ حیات یقین اور توازن کے آفاقی تصورِ جہاں ’اسلامی آفاقیت‘ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ’انسانی وحدت‘ اور کرۂ ارض کی پُرامن بقا اور نشوونما کا اجتماعی انسانی خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے اس سلسلے میں کیا خوب رہنمائی فرمائی ہے:

دم عارف نسیمِ صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

---